جدید جاپانی افسانے

ترجمہ: شاہد حمید

مشعل

MashalBooks.org

جدید جاپانی افسانے

ترجمہ: شاہد حمید

مشعل
آر۔ بی 5 ، سیکنڈ فلور، عوامی کمپلیکس
عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور54600، پاکستان

MashalBooks.org

جدید جاپانی افسانے

تالیف: فان سی گیسل، تو مونے متسوموتو

اردو ترجمہ: شاہد حمید

کاپی رائٹ (c) انگریزی-1985 کودانشا انٹرنیشنل لمیٹڈ
کاپی رائٹ اردو (c) 1997 مشعل

ناشر: مشعل
آر-بی-5، سیکنڈ فلور،
عوامی کمپلیکس، عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن،
لاہور-54600، پاکستان
فون وفیکس: 042-35866859
Email: mashbks@brain.net.pk

MashalBooks.org

فہرست

پیش لفظ		3
کوجی سوکے کی وادی	ابو سے ماسوجی	10
طلسمی چراغ	دازائی اوسامو	38
مہتابی جواہر	ایشی کاواجن	48
طلسمی چاک	ایبے کوبو	73
انڈے	میشمایوکیو	92
ستارے	کوجیانیواؤ	110
ساکن زندگی	شونوجن زو	155
ایک بازو	کاواتایاسوناری	212
ایک دن پہلے	ایندوشوساکو	239
دوست	ایبے اکیرا	257
برکھا پیڑ	اوئے کنزابورو	286

MashalBooks.org

خاموش تاجر — توشیمایوکو — 317

MashalBooks.org

پیش لفظ

شووا عہد اور اس کی کہانیاں

شہنشاہ ہیروہیٹو (1901ء تا 1989ء) تریسٹھ سال جاپان کے تخت پر متمکن رہے۔ ایک تو اپنے ''الوہی مرتبے'' (ویسے وہ جنگ عظیم دوم کے اختتام پر اس مرتبے سے دستبردار ہو گئے تھے) کے پیش نظر وہ عام لوگوں سے گھلتے ملتے نہیں تھے۔ دوسرے وہ فطرتاً بھی کم گو اور کم آمیز انسان تھے۔ تاہم ان میں ایک خاص خوبی یہ تھی کہ وہ بہت عالم فاضل آدمی تھے۔ (وہ بحری حیات کے ماہر تھے یعنی Marinebiologist تھے اور اپنی پوری زندگی وہ بحری حیات کا مطالعہ کرتے رہے)۔

شہنشاہ ہیروہیٹو نے اپنے طویل عہد حکومت میں اپنی رعایا کی زندگی میں جو تبدیلیاں رونما ہوتے دیکھیں، وہ معمولی نہیں تھیں۔ آدمی ان پر غور وفکر کرے تو بہت کچھ حاصل کر سکتا ہے۔ جب انہوں نے دسمبر 1926ء میں اپنے تخت نشین (اس سے پہلے وہ پانچ سال ریجنٹ یا قائم مقام شہنشاہ رہے تھے) ہونے پر اپنی حکومت کو ''شووا'' (روشن خیالی اور امن) کا نام دیا تھا تو ان کے وہم وگمان میں بھی نہیں آیا ہو گا کہ یہ نام کس قدر

MashalBooks.org

اذیت ناک حد تک ستم ظریفی (IRONY) کا پہلو اپنے دامن میں چھپایا ہوگا۔''بادلوں میں'' بیٹھ کر انہیں ایسی چودہ سالہ جنگ کا مشاہدہ کرنا پڑا جس کے دوران میں آتشیں بموں نے ان کے ملک کے زمینی منظر (Landcape) کوتہس نہس کر دیا۔ دو ایٹم بموں نے دو شہروں کو خاک وخون میں نہلا دیا اور انہیں تقریباً ملیا میٹ کر دیا۔ ان کے آزاد اور علیحدگی پسند وطن پر پہلی بار غیر ملکی فوجوں نے قبضہ کیا اور عہد حاضر میں اسے ایک ایسی شہرت بخشی جو جاپان کے سابق غلط کاموں اور مجرمانہ کارروائیوں اور اس کی موجودہ تکنیکی مہارتوں کے پیش نظر ابھی تک دنیا کے بعض خطوں کے لوگوں کی نگاہوں میں داغدار ہے۔

گزشتہ ساٹھ ستر سال کے دوران میں جاپانیوں کی زندگی میں جو تبدیلیاں آئی ہیں اور ان تبدیلیوں نے جو مختلف سمتیں اختیار کی ہیں ''شوواعہد'' کے ادب میں ان کی تقریباً اتنی ہی صحیح، بھرپور اور رنگ برنگی عکاسی ملتی ہے جس کی ہم توقع کر سکتے ہیں۔ جس امریکی مجموعے سے اس کتاب میں شامل کہانیاں لی گئی ہیں، اس کے ایڈیٹر کی یہ کوشش تھی کہ اس میں بہترین لکھنے والوں کی منتخب کہانیاں یکجا کر دی جائیں۔ (اصل امریکی مجموعہ بہت ضخیم ہے۔ اس میں اکیس کہانی نویسوں کی نگارشات شامل ہیں۔ ''مشعل'' اتنے بڑے انتخاب کی اشاعت کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا۔ چنانچہ اردو ترجمے کے لیے فی الحال صرف بارہ کہانیوں پر اکتفا کرنا پڑا) جب امریکی مجموعہ تیار کیا جا رہا تھا تو صاف ظاہر ہوا کہ منتخب شدہ کہانیاں جن حالات اور تجربوں کو بیان کرتی ہیں اور جن تکنیکوں کو استعمال کرتی ہیں، وہ بے حد متنوع ہیں۔ چنانچہ امریکی ایڈیٹر کے ذہن میں خیال آیا کہ اس میں ایسے مصنفین کو بھی جگہ ملنا چاہیے جو مغرب میں ابھی تک غیر معروف ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسے متعدد اشخاص کی کہانیاں شامل کیں۔ (طوالت کے خوف سے اس اُردو مجموعے میں زیادہ تر جانے پہچانے لوگوں کی کہانیاں ہی شامل کی جا چکی ہیں)

اردو انتخاب تو ہے ہی بہت مختصر، امریکی ایڈیٹر کے بقول وہ بھی اپنے (ضخیم) مجموعے میں اتنی کہانیاں جمع نہیں کر سکا جن سے پوری طرح اندازہ لگایا جا سکتا کہ جاپانی زندگی کتنی بوقلمونی اور رنگا رنگی کی حامل ہے۔ پھر جاپانی فنکاروں کی کچھ اپنی بھی مجبوری ہے۔ وہ لینڈ سکیپ کو وسیع وعریض دیواری تصویر (Mural) میں یا تو پیش کر ہی نہیں سکتے یا پھر کرنا ہی نہیں چاہتے۔ وہ اس کی بجائے کوچک تصویریں بنانے کو ترجیح دیتے ہیں لیکن

اگر ہم ان کو چک تصویروں کو ایک دوسرے کے برابر رکھ دیں اور یوں ہماری نظروں کے سامنے بہت بڑا طومار (Scroll) آ جائے تو ہمیں فوراً اندازہ ہو جائے گا کہ یہاں انسانی زندگی کی جس پیچ در پیچ اور باریک بیں انداز سے عکاسی کی گئی ہے، وہ صحیح معنوں میں بہت متاثر کن ہے۔

بعض نقاد یہ رائے دیتے نہیں تھکتے کہ جدید عہد نے بالآخر جاپان کا اپنی روایتی جڑوں سے رشتہ منقطع کر دیا ہے اور اپنے بین الاقوامی معاصرین کی طرح جاپانی ادیب بھی فنی طور پر اپنی ان جڑوں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محروم ہو چکے ہیں۔ لیکن جب وہ اس قسم کا دعویٰ کرتے ہیں تو وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ وہ روایات جو صدیوں سے چلی آ رہی ہوں اور ہڈیوں میں رچ بس چکی ہوں، انہیں آسانی سے ختم نہیں کیا جا سکتا اور امریکی مجموعے کے ایڈیٹر بھی ان نقادوں کی رائے سے اتفاق نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں کہ مندرجہ بالا دعوے کی تائید میں ایبے کوبو اور بعض دوسرے قلمکاروں کی تحریریں تو ضرور پیش کی جا سکتی ہیں لیکن ان کے مجموعے میں شامل اکثر کہانیوں سے یہی تاثر ملتا ہے کہ ہیئت اور مواد دونوں کے اعتبار سے روایت کا تسلسل ابھی تک برقرار ہے۔ جاپان کی مخصوص ادبی صنف ''میں ناول'' (Watakhushi-Shosetsu) جس کی نظیر دنیا کے کسی دوسرے ادب میں نہیں ملتی، بڑی اڑیل قسم کی چیز ہے اور منظر سے اوجھل ہونے کا نام ہی نہیں لیتی۔ یہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ ادبی روایت بہت مضبوط ہے اور ختم نہیں ہوئی۔ یہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ ادبی روایت بہت مضبوط اور ختم نہیں ہوئی۔ کہنے کو یہ انا یا خود مرکز (Egocentric) ناول نما (Quasi-Novel) اندازِ تحریر ایک واضح صنف کے طور پر بیسویں صدی کے آغاز میں وجود میں آیا لیکن اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ اس کے ڈانڈے اندر ہی اندر دسویں صدی کے جاپانی ادب سے جا ملتے ہیں۔ ''میں ناول'' کو زیادہ تر اس لیے تنقید کا نشانہ بنایا جاتا ہے کیونکہ کہا جاتا ہے کہ یہ مصنوعی طور پر ضرورت سے زیادہ مرصع ہے، یا یہ کہ یہ سب کچھ بھول بھال کر مصنف کے اپنے کرب و آلام پر زیادہ توجہ دیتا ہے، اپنے گرد و پیش کے افراد کے احساسات اور خیالات سے بہت کم آگہی کا اظہار کرتا ہے۔ اگرچہ اس قسم کے اعتراضات کو کسی حد تک حق بجانب قرار دیا جا سکتا ہے، لیکن جاپانی قلم کار اسے بالکل ہی طاقِ نسیاں پر رکھنے سے اس لیے متامل ہیں کیونکہ انہیں اس کے ذریعے خود اپنا

MashalBooks.org

اور اپنے ماحول کا جائزہ لینے اور حدود متعین کرنے میں زیادہ آسانی محسوس ہوتی ہے۔ ''شوواعہد'' بالخصوص جنگ کے بعد کے زمانے کے مصنفین نے ''میں ناول'' کی حدود کو زیادہ سے زیادہ پھیلانے کی کوشش کی ہے تا کہ یہ اندازہ کیا جا سکے کہ آیا اس کے ذریعے انسانی تعلقات کو زیادہ معروضی انداز سے بیان کیا جا سکتا ہے یا نہیں اور آیا اسے طنز اور مذہبی گیان دھیان کے ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ اپنی ان کوششوں کے ذریعے انہوں نے اپنے پیش روؤں کی چھوڑی ہوئی بوتلوں میں نئی شراب بھر دی ہے۔ ''ستارے'' اور ''ایک روز پہلے'' اس کی نمایاں مثالیں ہیں۔

جب ہم اس مجموعے کی پہلی کہانی ''کوچی سوکے کی وادی'' کا موازنہ (مجموعے کی) آخری کہانی ''غیر فانی'' (خواہش کے باوجود ناکا گامی کینجی کی یہ کہانی اردو مجموعے میں شامل نہیں کی جا سکی کیونکہ جنس کے معاملے میں اس میں کچھ زیادہ ہی بے باکی کا مظاہرہ کیا گیا ہے) سے کرتے ہیں تو ''کوچی سوکے کی وادی'' سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ جدید تکنیکی ترقی روایتی فطری فضا نیست و نابود کر دے گی اور روایت کی ہر اس نشانی کو مٹا دے گی جس کا تعلق ماضی سے بنتا ہے لیکن ''غیر فانی'' میں فطرت کو جس انداز سے بیان کیا گیا ہے اس سے یہ عندیہ بھی ملتا ہے کہ جاپان کا نیا قلمکار اپنے کلاسیکی پیش روؤں کے ساتھ اپنا رشتہ استوار کر سکتا ہے۔ لیکن اس تسلسل کے ساتھ ساتھ تبدیلیاں بھی رونما ہوئی ہیں اور یہ تبدیلیاں بڑی متنوع ہیں۔

اگر ''ماہتابی جواہر'' کا انداز Discursive (اس اندازِ تحریر یا تقریر میں ادھر ادھر کی باتیں بہت ہوتی ہیں اور ان کا اصل موضوع سے تعلق محض ڈھیلا ڈھالا سا ہوتا ہے) تو ''ایک بازو'' کو تجرباتی اور ''طلسمی چاک'' کو سائنسی سریلزم قرار دیا جا سکتا ہے۔ بعض کہانیاں خوب صورت شاعری ہیں اور بعض نری فن تازیہ۔ ''شووا عہد'' کے ادب نے کتنے ہی نئے رجحانات پیدا ہوتے اور پھر انہیں معدوم ہوتے دیکھا ہے۔ پرولتاری فکشن اس میں لکھی گئی، جنگی پراپیگنڈے کے ہتھیار کے طور پر اسے استعمال کیا گیا، (امر) قابض فوجوں کا سنسر شپ اسے برداشت کرنا پڑا اور جدیدیت کے دعویدار بے شمار اثرات میں اسے گزرنا پڑا، لیکن یہ سب کچھ سہہ گیا اور آج بھی زندہ و تابندہ ہے، شاید پہلے سے بھی زیادہ۔

''شووا عہد'' کا شاید بہترین اور صحت مند ترین کارنامہ یہ ہے کہ صحیح معنوں میں

MashalBooks.org

باصلاحیت خواتین نے بھی ادب کے میدان میں قدم رکھ دیا ہے حالانکہ اس سے پہلے انہیں اس کے قریب پھٹکنے نہیں دیا جاتا تھا۔ ویسے اب بھی ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو خواتین قلم کاروں کو نشانہ تضحیک بنانے سے باز نہیں آتے۔ ایک خاتون کی کہانی اس اردو مجموعے میں بھی شامل ہے۔

قصہ مختصر، اس کتاب میں بیسویں صدی کے جاپان کی جو کہانیاں پیش کی گئی ہیں، تقریباً ہر ذوق کے شخص کو اس میں اپنی پسند کی کوئی نہ کوئی چیز مل سکتی ہے۔ یہ کہانیاں اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ جاپانی ادب کوئی مردہ چیز نہیں بلکہ زندہ و توانا ہے۔ معاشرے کو جن اچھی یا بری تبدیلیوں میں سے گزرنا پڑا ہے، اس نے ان سے آنکھیں نہیں چرائیں۔ دیانت داری سے انہیں بیان بھی کیا ہے اور ان کا محاکمہ بھی کیا ہے۔ توقع یہی کرنا چاہیے کہ تسلسل اور تنوع کے مابین یہ تعامل جاری رہے گا۔ گزشتہ ساٹھ ستر سال کے دوران میں جاپانی قوم کو جن جنگوں، شکستوں اور اعلیٰ ٹیکنالوجی کی یلغار کا سامنا کرنا پڑا ہے، جاپانی افسانہ ان سب سے بچ نکلا ہے اور ''شووا دور'' میں وہ بتدریج ادبی اظہار کی پائیدار اور آفاقی صورت اختیار کر گیا ہے۔

جاپانی ناول کے سلسلے میں ایک وضاحت ضروری ہے، مغرب میں پہلے انسان کا اپنا پہلا نام لکھا جاتا ہے، پھر خاندانی نام لیکن جاپان میں پہلے خاندانی نام آتا ہے، پھر اصل نام۔ اس کتاب میں جاپانی طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔

(اس ابتدائیہ کا بیشتر مواد امریکی مجموعے کے ایڈیٹر وان سی گیسل (Gessel) کے دیباچے سے اخذ کیا گیا ہے۔)

شاہد حمید، لاہور

MashalBooks.org

ابو سے ماسوجی

کوچی سو کے کی وادی

ابو سے ماسوجی (Ibuse Masuji) کی ادبی زندگی تقریباً اتنی ہی طویل ہے جتنی کی بیسویں صدی۔ انہوں نے جاپانی ادب کی بیشتر اصناف اور موضوعات پر خامہ فرسائی کی ہے۔ ان کی پہلی کتاب ''کارپ مچھلی'' کہانیوں پر مشتمل تھی۔ اس کے بعد وہ مختلف اصناف میں طبع آزمائی کرتے رہے۔ 1932ء میں ان کے طویل افسانے نے بہ عنوان ''دریا'' 1937ء میں جدید شاعری کا مجموعہ ''ماسی نظمیں'' 1938ء میں تاریخی کہانیوں کا مجموعہ ''ہلکورے'' 1943ء میں جنگی ڈائریاں بہ عنوان ''مغرب کا بحری سفر'' اور 1956ء میں تباہ شدہ بحری ملاحوں کی داستانیں ''رانده اسا بورو'' کے نام سے شائع ہوئیں اور انہیں شہرتِ دوام عطا کر گئیں۔ تاہم صحیح معنوں میں جس کتاب نے جاپان میں تہلکہ مچایا اور انہیں مغرب سے بھی روشناس کرایا، وہ ان کا ناول ''سیاہ بارش (1966ء) ہے۔ دنیا کا پہلا ایٹم بم گرائے جانے پر ہیروشیما اور اس کے باشندوں پر جو قیامت گزری تھی اس ناول میں اس کا بیان بڑے دل فگار انداز سے کیا گیا ہے۔ (مشعل کی طرف سے اس کا اردو ترجمہ شائع ہو چکا ہے)۔

1982ء میں ان کی کتاب ''ادگی تو بو تاریخ'' اشاعت پذیر ہوئی۔ یہ دراصل ان کی پچاس سالہ یادداشتوں پر مشتمل ہے۔ اس میں ٹوکیو کے عام لوگوں، مصنفین اور ادبی زندگی کا

MashalBooks.org

تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔

ابوسے ماسوجی 1886ء میں ہیروشیما کے قریب ایک گاؤں میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کی پرورش اپنے بڑے بھائی اور بہن، والدین اور نانا نانی کی صحبت میں بڑے آرام دہ ماحول میں ہوئی تھی۔ 1917ء میں وہ ادب کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے ٹوکیو کی واسیدا یونیورسٹی میں داخل ہوئے لیکن ان کی تعلیم ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی کہ وہ ہمہ وقتی تصنیف و تالیف کے کام میں مصروف ہو گئے۔ ان کی ابتدائی کتابوں میں اپنے زمانے کے ادبی رجحانات کی اتنی عکاسی نہیں ہوتی جتنی اس بات کی کہ وہ ایک ایسے نوجوان ہیں جو انسان اور ادیب کی حیثیت سے اپنا تشخص منوانے کی فکر میں سرگرداں ہے۔ شہر اور گاؤں، دوست اور اجنبی، اپنی ذات اور دوسروں کے مابین جو غیر اطمینان بخش تعلق موجود ہوتا ہے، 1920ء کی دہائی کے ابو سے ماسوجی، دل کش پیرایہ بیان، ظرافت اور حساس لہجے سے کام لے کر اس کا خوبصورت لفظی نقشہ کھینچتے نظر آتے ہیں۔

1929ء کے آتے آتے، جب ان کی کہانی ''کوچی سوکے کی وادی'' ٹوکیو کے ایک ادبی رسالے میں شائع ہوئی، ابوسے ماسوجی جان چکے تھے کہ انہیں کیا اور کیسے کہنا ہے چنانچہ یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ ان کی یہ کہانی ان کے ابتدائی دور کی غالباً بہترین کہانی ہے۔ اس کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہ سیکھ چکے ہیں کہ زبان کو صحیح انداز سے کیسے پیش کیا جاتا ہے اور اپنا نقطہ نظر کس طرح پیش کیا جاتا ہے۔ ان دونوں چیزوں کے آپس میں گھل مل جانے سے داستان طراز، کہانی سنانے والے ایک ایسے شخص کے روپ میں ہمارے سامنے آتا ہے جس کی اپنی واضح شخصیت ہے اور جو کسی طور بھی دوسروں کا دست نگر نہیں۔ پھر اس میں مرکزی کردار کو اتنی مہارت، پرکاری اور خوبصورت انداز سے پیش کیا گیا ہے کہ وہ ہمیں واقعی جیتا جاگتا انسان نظر آنے لگتا ہے اور ہم فوراً ایمان لے آتے ہیں کہ ایسا شخص لازماً کہیں نہ کہیں موجود ہوگا۔ اس قسم کے بے غرض، بے تعصب اور غیر جانبدار کہانی سنانے والے اور اپنی بات پر اڑے رہنے والے بوڑھے، ابوسے ماسوجی کے بعد کے ناولوں اور کہانیوں میں کثرت سے آتے ہیں۔ ایک طرف کوچی سوکے دقیانوسی طور طریقے ہیں اور دوسری طرف اس کے نوجوان دوست کا ان کے متعلق اپنا تناظر، دونوں نے کہانی کی ظرافت، شرمیلی جنسی محبت بلکہ اس کے ڈھکے چھپے متشددانہ رجحانات کے ساتھ مل کر ''کوچی سوکے کی وادی'' کو ان چیزوں کا موقع بنا دیا ہے جنہوں نے ماسوجی کو جاپان کے جدید جانے مانے ادیبوں کی صف میں لا کھڑا کیا ہے۔

ستتر سالہ کوچی سو کے مجھ سے خاص طور پر انس رکھتا ہے۔ ہر سال جب خزاں کا موسم آتا ہے اور فضا میں آدمی کی سانس سپید ہونے لگتی ہے، میں گھر سے خواہ کتنی ہی دور کیوں نہ ہوں، وہ مجھے چیڑ کے درختوں کے بیچ اگنے والی کھمبیوں کا تحفہ ضرور بھیجتا ہے۔ وہ سویوں کے استعمال شدہ ڈبے میں کائی رکھتا ہے، اسے خشک کھمبیوں کے ٹکڑوں سے بھرتا ہے اور ڈبے کے اوپر ''خزاں مبارک'' کے الفاظ تحریر کر دیتا ہے۔

کوچی سو کے اس پہاڑی پر محافظ کے فرائض سر انجام دیتا ہے جہاں یہ کھمبیاں اگتی ہیں، اگرچہ ہم نے یہ پہاڑی اپنے دادا کے وقتوں میں کسی اور خاندان کے ہاتھ بیچ دی تھی، کوچی سو کے بڑی ہٹ دھرمی سے وہی کام کئے جا رہا ہے جو وہ پرانے وقتوں میں کیا کرتا تھا۔

پیشتر اس کے کہ میں بھول جاؤں، میں بتانا چاہتا ہوں کہ کوچی سو کے اور میں دوست کیسے بنے۔

میرا بھائی، میں اور میری چھوٹی بہن ایک ہی بچہ گاڑی میں پلے بڑھے تھے۔ کوچی سو کے معاش کے سلسلے میں ہوائی جزائر چلا گیا تھا۔ واپسی پر وہ اس بچہ گاڑی کو اپنے ساتھ لایا تھا اور اس نے اسے میرے گھر والوں کو بطور تحفہ پیش کر دیا تھا۔ وہ ہمارے گھر میں ملازم تھا اور دوسرے فرائض کے علاوہ اس کا ایک کام یہ بھی تھا کہ جب کبھی ہم بچہ گاڑی میں بٹھائے جائیں، وہ ہماری نگرانی کرتا رہے۔

گاڑی کی چھت پر کسی غیر ملکی زبان میں چار مصرعوں پر مشتمل ایک نظم سوئی دھاگے سے منقوش تھی۔ ''سو جاؤ، سو جاؤ، ننھے منے سو جاؤ۔ شام کا سورج، چھپ رہا ہے کہیں دور مغرب میں۔'' چونکہ مجھے گاڑی میں اونگھ تک نہیں آتی تھی، مجھے اس نظم کی رتی برابر پروا نہیں ہوتی تھی۔

کوچی سو کے مجھے بچہ گاڑی میں بٹھاتا اور سارا دن باغ کے اندر درختوں کے جھنڈ میں ادھر ادھر گھماتے ہوئے گزار دیتا۔ اس گھماؤ پھراؤ کا نتیجہ یہ ہوا کہ اوزمین تھس (Osmanthus) کے خوشبودار درختوں کے نیچے تالاب کے اردگرد اتنی گہری پگڈنڈی بن

MashalBooks.org

گئی کہ بارش بھی اس کے آثار مٹانے میں ناکام رہتی۔ ایک تو اس کی آنکھ میں گوہانجنی تھی جس کے سبب وہ چیونٹی کی رفتار سے چلنے پر مائل رہتا تھا۔ پھر اس میں ایک اور بدعادت تھی جس پر مجھے بہت غصہ آتا تھا۔ ہوتا یہ کہ وہ چلتے چلتے بالکل ہی رک جاتا اور ازسرنو اپنا پٹکا باندھنے لگتا۔ ادھر میرا جی یہ چاہتا رہتا کہ بچہ گاڑی مسلسل گردش میں رہے اور کبھی رکنے نہ پائے۔ چنانچہ جب کبھی وہ چلتے چلتے ٹھہر جاتا، میں اس سے شکایتی انداز سے کہتا:

''کوچی سوکے! جلدی کرو اور گاڑی دھکیلو!''

''ابھی تو میں اپنا پٹکا ٹھیک کر رہا ہوں۔ مجھ سے اس طرح بات مت کرو۔''

''بڑھ بڑھ کر باتیں نہ بناؤ۔ تمہارے پٹکے کی پروا کسے ہے؟''

آپ مانیں یا نہ مانیں لیکن سچ یہی ہے۔ چونکہ میں اس سے جلدی کرانا چاہتا تھا، اس لیے وہ اپنی ضد پر آجاتا۔ وہ اور بھی سستی دکھانے اور اپنا پٹکار بار بار درست کرنے لگتا حالانکہ وہ اسے عام طور پر ڈھیلا ڈھالا پہنتا تھا۔

بچہ گاڑی میں چادر کے نیچے گدی رکھی ہوتی تھی۔ اس پر سیاہ چمگادڑوں کے نقوش بنے ہوئے تھے۔ مجھے یقین تھا کہ اندھیرے میں یہ چمگادڑیں گدی سے بھاگ نکلتی ہوں گی اور آسمان کی جانب پرواز کر جاتی ہوں گی۔

''کوچی سوکے! چمگادڑیں پھر اڑانا چاہتی ہیں۔ جلدی کرو اور انہیں قابو کرلو!''

''اگر تم چپ رہو تو وہ صبح کو واپس آجائیں گی۔ فکر مت کرو۔''

''وہ واپس آجائیں گی؟ واقعی؟''

''بالکل، چلو چھوڑو اس بات کو، ہم ایک اور چکر لگا لیتے ہیں۔''

''جب میں اپنی آنکھیں بند کرتا ہوں تو مجھے محسوس ہونے لگتا ہے کہ ہم آگے نہیں، پیچھے جا رہے ہیں۔ تم میرے ساتھ بیٹھ کر خود کیوں نہیں دیکھ لیتے؟''

''بالکل نہیں۔ میں بعد میں اکیلا ہی بیٹھ کر دیکھوں گا۔''

بعض اوقات گاڑی دھکیلتے دھکیلتے کوچی سوکے مجھے غیر ملکی الفاظ سکھانے کی کوشش کرتا۔

''اوز مین تھس اور چیٹر جیسی چیزوں کو ''Tree'' کہتے ہیں۔''

میں لفظ ''Tree'' ہمیشہ بہت جلد بھول جاتا اور ہر مرتبہ کوچی سوکے مجھے خوب

ڈانٹتا۔

''جس بچے کو کوئی چیز یاد نہیں رہتی، وہ ''aizuru'' ہوتا ہے۔''

انگریزی زبان کا اصل لفظ ''Idle'' تھا لیکن وہ اس تلفظ ''aizuru'' کرتا تھا۔ پھر ایک دن آیا جب میں نے بچہ گاڑی اپنی چھوٹی بہن کے حوالے کر دی۔ اس وقت میں پہلی جماعت میں داخل ہو چکا تھا اور یہ فیصلہ ہو چکا تھا کہ میں اتوار کے اتوار کوچی سو کے گھر جایا کروں اور اس سے انگریزی پڑھا کروں۔ اس کا گھر وادی میں اکیلا کھڑا تھا۔ بظاہر یہی نظر آتا تھا کہ اس نے ہوائی جزائر میں کھیتی باڑی کرنا نہیں سیکھا تھا اور چونکہ اسے کوئی اور کام بھی کرنا نہیں آتا تھا، وہ پہاڑی کے نگران کا فریضہ سرانجام دینے لگا۔ تاہم بحیثیت استاد وہ میرے ساتھ بڑی سختی سے پیش آتا تھا۔ وہ ہمیشہ رسمی جاپانی لہنگے میں ملبوس رہتا تھا جو میرے دادا نے اسے دیا تھا لیکن یہ اتنا لمبا تھا کہ جب وہ ڈیسک سے اٹھتا تو یہ فرش پر اس کے پیچھے پیچھے گھسٹتا رہتا۔ وہ اپنا جسم اکڑا کر بیٹھتا تھا اور مجھے کسی انگریزی قاعدے کا حصہ سوم پڑھ کر سنایا کرتا تھا۔ اس نے مجھے کبھی بلکہ ایک مرتبہ بھی، اس کے متن کو سرسری نگاہوں سے دیکھنے کی اجازت نہ دی۔ اس کے برعکس میں اپنے روایتی کیمونو میں ملبوس اپنی گود پر ہاتھ باندھے بیٹھا رہتا تھا اور جو جملے وہ پڑھتا، انہیں زبانی یاد رکھنے کی کوشش کرتا رہتا۔

"The night was very dark. The general, leading the desperate men, boarded the boat. The Willow branches on the shore brushed against the general,s shoulders and wet them with dew. The sound of the oars was very faint. The general surveyed the dark river nad began quietly humming to himself. He hardly looked like a man who was going off to battle."

جب کوچی سو کے پڑھ چکتا تو میں دہرانے لگتا:

"The night was very dark.
The general boarded the boat"